علامہ اقبال کی نظم ''خفتگان خاک سے استفسار'' کا ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد محسن

کروڑی مل کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ملخص اس نظم میں علامہ اقبال مردوں سے سوال فرماتے ہیں کہ دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ان کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ پاؤ گے۔ کیا عالمِ آخرت میں دیدارِ الٰہی ہو گا یا وہاں بھی جواب ملے گا لن ترانی کہ تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ پاؤ گے۔ اسی طرح یہ دنیا اندھیروں اور تاریکیوں کا گھر ہے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ گویا پوری دنیا تاریکیوں سے معمور ہے۔ کیا عالمِ آخرت بھی اسی طرح اندھیروں سے بھرا ہوا ہے یا وہاں اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی سے عالمِ جاودانی منور اور روشن ہے۔ اسی طرح کے بہت سے سوالات اس نظم میں مردوں سے کیے گئے ہیں۔ جن سے عالمِ فانی اور عالمِ باقی کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اس نظم میں امتِ مسلمہ کے زوال پر بھی علامہ اقبال کی بے چینی و اضطراب کا واضح اظہار ہے۔ شاعر نہایت ہی دکھ و درد کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ آج کا مسلمان نہ علم و عمل سے کافی دور ہو چکا ہے بلکہ وہ غلامی اور ذلت کی زندگی گزارنے پر بھی مجبور ہے۔ جس قوم و ملت نے کبھی دنیا کو علم و حکمت اور عمل و حرکت کا پیغام دیا تھا وہ آج کاہل اور سراپا بے عمل ہے۔

اقبال, نظم, خفتگانِ خاک سے استفسار, موت, راز, ربِ ارنی, لن ترانی, رخصت, قبرستان, جنت

علامہ اقبال (ولادت 9 نومبر 1877ء وفات 21 اپریل 1938ء) بیسوی صدی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند نگاہ فلسفی بھی تھے۔ انہوں نے اردو نظم کو کئی نئی جہات عطا فرمائی ہیں۔ علامہ اقبال نے مختلف موضوعات پر نظمیں لکھیں ہیں، شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو۔ جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ ان کی نظموں نے قوم میں اس وقت جوش و جذبہ پیدا کیا جب قوم مایوس کن حالات، ہندو مسلم اختلافات اور ملک پر انگریزوں کے تسلط کے باعث ملک و ملت بالکل مایوسی کے غار میں جا چکی تھی۔ ایسے حالات میں علامہ اقبال کی نظموں نے بلا تفریق مذہب و ملت ہندوستانی قوم میں آزادی کا صور پھونک دیا۔ آج بھی علامہ اقبال کی نظمیں خاص مواقع پر جوش و خروش کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی بعض نظموں میں موت و حیات کے فلسفے کا خوبصورت اندازِ بیان ملتا ہے۔ جیسا کہ ان کی مشہور نظم ''خفتگان خاک سے استفسار'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ فانی اور عالمِ جاودانی کے احوال بالکل مختلف ہیں۔

یہ نظم ابتدا میں چالیس اشعار پر مشتمل تھی، لیکن جب 1924ء میں بانگ درا منظر عام پر آئی تو اس نظم پر نظر ثانی کی گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں کچھ اشعار حذف کر دئے گئے۔ چنانچہ تصحیح کے بعد کل چھبیس اشعار کے ساتھ بانگ درا میں شائع ہوئی۔ پہلی مرتبہ یہ نظم رسالہ ''مخزن'' میں

1902 کے شمارے میں شائع کی گئی تھی۔ نظم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں چھ اشعار مذکور ہیں، دوسرے حصے میں بارہ اشعار ہیں اور آخری تیسرے حصے میں آٹھ اشعار شامل ہیں۔

مندرجہ بالا نظم کے علاوہ بانگ درا میں علامہ اقبال کی کئی ایسی نظمیں ہیں۔ جن میں کئی اہم شخصیات کی وفات پر غم والم کا اظہار تو کیا گیا ہے لیکن مرنے والے یعنی مردے سے سوال وجواب یا اس کا عکس وجھلک نہیں ملتا۔ نظم ''ماں کا خواب'' میں ایک جگہ ضرور سوالیہ اور استفہامیہ انداز نظر آتا ہے اور نظم ''فلسفہ غم'' میں اس بات کا پیغام ضرور ہے کہ جو ہمہ جہت شخصیت دنیا سے گزر چکے ہیں۔ ان کی زندگی کو از بس غم کے دوران نقش قدم بنائیں تاکہ مصیبت سے نجات ملے۔

''مرزا غالب'' کے عنوان سے جو نظم ہے اس میں غالب کی شاعری کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے لیکن ایک مقام پر اظہارِ تأسف اس طرح کیا ہے کہ غالب جس شہر میں زیر خاک ہیں وہ شہر اجڑا ہوا ہے لیکن اس کے برعکس گوئٹے جس شہر کے گلستاں میں اپنا گھر بنایا ہے وہ آباد ہے یعنی غالب جس قوم کا نابغہ روزگار اور فکرِ روزگار ہیں وہ قوم زوال پذیر ہے لیکن گوئٹے جس قوم میں جنم لیا ہے وہ قوم ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

علامہ اقبال نے بیسویں صدی کے آغاز میں بچوں کے لیے کئی نظمیں لکھیں۔ ان نظموں میں آسان زبان استعمال کیا گیا اور فارسی وعربی کے مشکل الفاظ سے اجتناب بھی کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال طلبہ کی نفسیات سے مکمل طور پر واقف تھے اور انھیں بچوں کی نفسیات سے بھی بے حد لگاؤ تھا ساتھ ہی بچوں کی درسی کتابوں نے بھی ان نظموں کو شامل کیا جاتا تھا۔ نظم ''ماں کا خواب اسی نظموں میں سے ایک ہے جو ان کی ابتدائی زمانے کی شاعری سے وابستہ ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کو ئی ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن عام طور پر ان کی شاعری کو تین ادوار میں پیش کیا گیا ہے۔ ابتدا سے 1905 عیسوی تک کی ان کی شاعری کا پہلا دور کہا جاتا ہے۔ نظم ''ماں کا خواب'' بھی اسی دور سے تعلق رکھتی ہے جو بانگ درا میں 1905 عیسوی تک کی نظموں میں یہ نظم بھی شامل ہے۔

مذکورہ نظم علامہ اقبال کی طبع زاد نہیں۔ مغرب کے بے شمار شاعروں کا مطالعہ انہوں نے کیا تھا انہیں شاعروں میں سے کسی ایک شاعر کی نظم سے یہ نظم ماخوذ ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خیالات وفن کا بیان اس طور سے کیا ہے کہ یہ ان کی اپنی ہی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ نظم کل پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظم میں ماں کے ایک خواب کو بیان کیا ہے۔ درحقیقت اس نظم میں بھی انہوں نے ایک جگہ سوالیہ انداز واستفسار سے کام لیا ہے۔ ماں ایک دن خواب میں اپنے کم سنی میں فوت ہوئے اپنے بچے کو دیکھتی ہے کہ وہ اندھیری رات میں کہیں جارہی ہوتی ہے ایسی ہی کیفیت میں اسے تاریکی کے بنا پر کچھ شے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بڑی ہی مشقت کے بعد انہیں لڑکوں کی ایک جماعت نظر آتی ہے۔ اس مجمع میں شامل تمام لڑکے بیش بہا قیمتی لباس سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ ان جماعت کے تمام لڑکوں کے ہاتھوں میں ایک چراغ روشن تھا اس قطار میں اس کا لڑکا بھی نظر آیا لیکن اس کا لڑکا اس گروہ میں سب سے پیچھے تھا اور اس کے ہاتھوں میں جو چراغ تھا وہ جل نہیں رہا تھا۔ اسی حالت میں ماں نے اپنے بیٹے کو گلے لگالیا اور ماں نے اپنے بچے سے سوال واستفسار کیا اور کہا! اے میرے لعل! مجھے چھوڑ کر تم کہاں آگئے ہو؟ اے میرے۔ بچے میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتی، ہر وقت تمہارے بغیر بے قرار اور زار وقطار روتی رہتی ہوں کسی پل بھی مجھ کو قرار نہیں ملتا۔ ماں کے سوال سننے کے بعد اس کے بیٹے نے جواب اس انداز سے پیش کرتا ہے۔

اے میری ماں! میرے ہاتھوں کا اس چراغ کو ذرا بغور دیکھ کہ میرا دیا بجھ گیا ہے۔ تجھے کچھ معلوم ہے کہ یہ کیوں نہیں جل رہا ہے؟ اس لیے کہ اے ماں! تو جو میری یاد میں مسلسل روتی رہتی ہے اور آنسو بہاتی رہتی ہے تیرے اسی آنسوؤں نے میرے روشن چراغ کو بے منور کیا ہے۔ اگر تو صبر و استقامت سے کام لیتی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام پر یقین رکھتی تو آج میں ان لڑکوں کے مجمع میں سب سے پیچھے نہیں ہوتا بلکہ جماعت میں سب سے آگے ہوتا اور نہ ہی میرے ہاتھوں کا چراغ بجھ رہا ہوتا بلکہ میرے دست کا دیا منور ہوتا۔ دراصل اس نظم میں علامہ اقبال نے ایک ماں اور بیٹے کے سوال و جواب کے پردے میں ایک ماں کی ممتا اور بیٹے کی موت پر فطری رنج والم کو پیش کیا ہے۔

متذکرہ نظم سے قطع نظر اب جو نظم وفات پر غم کے اظہار کے موضوع پر جو اہم نظم ہے وہ نظم ''داغ'' کے عنوان سے ہے۔ اس نظم میں علامہ اقبال نے داغ کی شاعری کی فنی خصوصیات کا بیان مفصل طور پر کیا ہے۔ داغ کی شاعرانہ عظمت کا اظہار پوری نظم میں دکھائی دیتی ہے۔ ایک جگہ داغ کی موت پر اپنے گہرے دکھ درد کا بیان اس طرح پیش کرتے ہیں۔ داغ دہلوی رنگین و دلکش پھول کی طرح تھے جو پھول کی خوشبو کی مانند اس فانی دنیا سے باقی دنیا کی طرف رخصت کر چلے۔ یہ بڑے ہی تأسف کی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اردو زبان کی دھوم پوری دنیا میں ہے لیکن اردو زبان کا گھر داغ دہلوی کے بغیر ویران سا ہے۔

نظم ''فلسفۂ غم'' کے آخری حصے میں علامہ اقبال یہ بیان کرتے ہیں کہ انسانی زندگی ایک عارضی زندگی ہے جو لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں وہ اس دنیا سے چلے تو ضرور جاتے ہیں لیکن فنا نہیں ہوتے۔ انسان مرنے کے بعد جہان باقی میں منتقل ہو جاتے ہیں اور وہاں دائمی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ انسان جب دنیا کی آفتوں میں مبتلا ہو جائے اور صحیح اور غلط کا امتیاز نہ کر سکے اور اسے کوئی امید بر نہ آئے تو وہ ایسے غمگیں حالات میں انسان اس عظیم شخصیت کی زندگی سے سبق حاصل کرے جو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل کر گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے کامیاب کارنامے اور صفتوں پر غور کرے اور ان کی نقش قدم پر چل کر انسان اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ دراصل اس نظم میں علامہ اقبال نے مردے سے سوالیہ انداز تو نہیں اپنایا ہے۔ لیکن یہ پیغام ضرور دیا ہے کہ جو بڑی شخصیت اس دارِ فانی سے گزر گئے ہیں۔ مصیبت کے وقت میں انسان کو ان کی زندگی کی طرف مڑ کر دیکھنا چاہیے۔

شبلی و حالی'' کے عنوان سے بانگ درا میں ایک نظم شامل ہے۔ یہ نظم مولانا شبلی اور مولانا حالی دونوں کی ہمہ جہت شخصیت پر لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں بھی علامہ اقبال نے دونوں کی وفات بے حد رنج و غم کے آنسوں بہائے ہیں لیکن نظم میں کہیں بھی مردے سے سوالیہ انداز یا استفسار کا عنصر نظر نہیں آتا۔ شبلی و حالی کی ادبی کار گزاری کو ہی ذکر کیا گیا ہے جس سے دونوں ادیبوں کی جامع شخصیت روشن ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے۔

نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' علامہ اقبال کی ایک عظیم ترین اور مشہور و معروف نظم ہے۔ انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں ایسی نظم لکھی جو غم والم کا پیکر بن گیا۔ اندازِ بیان اتنا دلکش ہے کہ خود کا غم نہ رہ کر پوری کائنات کا غم بن گیا ہے۔ علامہ اقبال کی اس نظم کو جاودانی شہرت حاصل ہوئی اور اس نظم کا ہر حصہ دکھ درد سے لبریز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں سے بے پناہ محبت کی بنا پر نظم جا بجا والدہ مرحومہ کی یاد میں غم کا اظہار کیا گیا ہے لفظ 'ماں' دنیا کا سب سے حسین و خوبصورت لفظ ہے۔ ایک بیٹے نے ماں کی محبت میں جس طرح سے اپنے درد کی کیفیت کا بیان کیا ہے اس کی مثال دنیا کی ادبیات میں بے نظیر ہے۔

زیر بحث نظم ''خفتگانِ خاک سے استفسار''کا موضوع یہ ہے کہ موت انسان کے لئے ایک راز ہے اور ہر انسان اس راز کو معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آخر یہ موت کیا شے ہے؟اس نظم کے پردے میں علامہ اقبالؔ نے موت اور موت کے بعد پیش آنے والے احوال کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جس کے لئے سوالیہ انداز اپنایا ہے۔ مرنے کے بعد والی دنیا کیسی ہوگی؟اس دنیا کے جیسی یا اس سے بالکل جدا اور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اس دنیا میں تو کوئی بھی انسان خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا'' لن ترانی ''یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔کیا آخرت میں بھی دیدارِ الٰہی کے لئے ''رب ارنی'' کہنا پڑے گا اور جواب میں'' لن ترانی ''فرمایا جائے گا یا وہاں دیدارِ رب کائنات نصیب ہوگا۔

علامہ اقبال اس نظم کے پہلے حصے میں شام کی منظر کشی فرمارہے ہیں کہ سورج غروب ہو چکا ہے اور شام کے چہرے سے نقاب اٹھ گیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا گویا تاریکی نے اپنے بال ہر چیز پر پھیلا دئے ہیں اور ہر چیز سیاہ نظر آتی ہے۔ شاعر پوچھتا ہے کہ ہر چیز نے یہ سیاہ لباس جو زیبِ تن کیا ہے یہ کس کے غم کی تیاری ہو رہی ہے۔ کیونکہ عام طور پر سیاہ لباس غم کے وقت پہنا جاتا ہے۔ شاعر نے رات کی تاریکی کو سیاہ لباس سے تعبیر کیا ہے کہ یہ کس کے غم میں پہنا جارہا ہے۔خود ہی جواب دیتے ہیں کہ سورج ڈھل چکا ہے گویا کہ سورج کی موت ہو گئی ہے اور اس کی موت کے غم میں پوری دنیا نڈھال ہے اور سیاہ لباس پہن کر دنیا کی ہر شے اپنے رنج و ملال کا اظہار کر رہی ہے۔ رات کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آسمان نے ہونٹوں پر ایک جادو سا کر دیا ہے کہ لب ابھی تک گفتگو کر رہے تھے۔ وہ بولتے بولتے اچانک ایسے خاموش ہو گئے جیسے کسی نے ان پر جادو کر دیا ہو کہ اب بول بھی نہیں پا رہے ہیں۔اسی طرح رات کو جادو گر کہاں گیا کیونکہ رات نے جاگنے والی آنکھ پر جادو کر دیا ہے جو آنکھ ابھی تک کھلی ہوئی تھی،اور جاگ رہی تھی وہ ایک دم سے بند ہو گئی ہے اور اس کے لئے جاگنا دشوار ہو رہا ہے۔ کوشش کے باوجود بھی آنکھ کھل نہیں پا رہی ہے۔ بار بار کوشش کے باوجود بند ہو رہی ہے جیسے کہ کسی نے جادو کر دیا ہو۔ رات کا منظر اتنا خاموش ہوتا ہے کہ ہوا کے چلنے کی بھی آواز سنائی نہیں دیتی گویا ہوا بھی خاموشی کے دریا میں غوطہ لگا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہوا کے چلنے کی آواز بالکل بھی محسوس نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ رات کا ماحول بالکل خاموش ہوتا ہے۔اتنا خاموش کہ اگر بہت دور کوئی ہلکی سی بھی گھنٹی بجتی ہے تو اس کی بھی آواز سنائی پڑ جاتی ہے۔ شاعر اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرا دل محبتِ الٰہی میں اتنا بے قرار ہو چکا ہے کہ اب دنیا سے نفرت کرنے لگا ہے۔اس نفرت کے نتیجے میں مجھے دنیا سے نکال کر قبرستان میں کھینچ لایا ہے۔ دنیا میں بہت سی ناکامیوں اور محرومیوں سے واسطہ پڑا ہے اور میں نے خود اپنی محرومیوں کا تماشا دیکھا ہے۔ اپنی محرومیوں کے تماشائیوں میں گویا میں خود بھی شامل ہوں۔اس لئے دنیا جہان سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں مردوں کا ساتھی اور ہم نشین بن گیا ہوں۔ اب میں نے زندوں کی ہم نشینی چھوڑ کر مردوں کی صحبت اختیار کر لی ہے۔ اب انھیں سے گفتگو ہوتی ہے اور انھیں میں بیٹھنا اٹھنا رہتا ہے۔ در حقیقت یہ کہ انہیں سے میں دلی کیفیت کا اظہار کرتا ہوں۔ میرے دل میں جو بھی سوال پیدا ہوتا ہے انہیں سے اس کا جواب معلوم کرتا ہوں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل کہ ہے بیتابیِ الفت میں دنیا سے نفور
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامۂ عالم سے دور

منظرِ حرماں نصیبی کا تماشائی ہوں میں
ہم نشینِ خفتگانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

جو لوگ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ ان سے دوسری باقی دنیا کے احوال معلوم کرنا اس نظم کا مرکزی موضوع ہے۔ نظم کے دوسرے حصے میں اس باقی دنیا کے بارے میں ہی سوالات کئے گئے ہیں۔ شاعر مرنے والوں سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں رہتے ہو ہمیں بھی اس دیس کے بارے میں کچھ بتاؤ جہاں تم رہتے ہو۔ ذرا بتاؤ کہ جس دنیا میں تم رہتے ہو وہاں بھی دن اور رات کا سلسلہ ہے۔ یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہوتا ہے۔ دنیا کی طرح وہاں بھی اصلاح اور فساد اور بننے اور بگڑنے کا سلسلہ ہے یا نہیں۔ اس دنیا میں انسانوں کو بہت سارے غم گھیرے رکھتے ہیں۔ بہت سے مواقع پر انسان اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ اس کا دل کسی چیز کو چاہتا ہے مگر وہ چاہ کر بھی اسے حاصل نہیں کر پاتا۔ کیا اس دیس میں بھی انسان اسی طرح مجبور اور بے بس ہے۔ یہاں عاشق اپنے معشوق پر جان دے دیتا ہے۔ کیا اس دیس میں بھی ایسا ہوتا ہے؟ جس طرح دنیا میں انسان بہت سے تعلقات اور رشتہ داریوں میں بندھا ہوا ہے اور یہ رشتہ داریاں اس کے لئے وبالِ جان سے کم نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ کیا وہاں بھی پایا جاتا ہے؟ دنیا میں انسان کو اللہ نے ایک چھوٹی سی زندگی دے کر بھیجا ہے لیکن پریشانیاں اور مشکلات بے شمار ہیں کہ ایک مشکل ختم ہوتی ہے اور دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کی روح پوری زندگی غموں میں ہی گھری رہتی ہے۔ اسے کبھی رنج و غم سے آزادی نہیں ملتی۔ کیا اس ولایت میں بھی انسان کی روح غموں سے آزاد نہیں ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے بہت سارے انتظامات کرنے پڑتے ہیں، کبھی روزی روٹی کی فکر، کبھی کپڑے ولباس کی فکر اور کبھی رہنے کے لئے گھر و مکان کی فکر۔ مکان بنانے کے لیے انسان اینٹ اور پتھر وغیرہ کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ کیا یہ ساری فکریں اس جہاں میں بھی پائی جاتی ہیں یا وہاں انسان ان فکروں سے آزاد ہے۔ اس دنیا میں رہ کر انسان اپنی اصلیت سے غافل و بیگانہ ہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہے۔ اگر انسان اصلیت پر غور کرے کہ میری پیدائش مٹی سے ہوئی ہے تو وہ کبھی تکبر میں مبتلا نہ ہو گا۔ لیکن انسان اپنی اصلیت کو بھلا بیٹھا ہے اور اسے اپنی برتری اور امتیاز کی ایک دُھن لگی ہوئی ہے کہ میں بڑا، میرا مذہب بڑا، میری حیثیت بڑی اور میرا قانون بڑا۔ اس جہاں میں اگر کوئی کسی کو رنج و تکلیف پہنچاتا ہے تو وہی اس کو بھگتنا پڑتا ہے کوئی اس کا شریکِ غم نہیں ہوتا۔ کوئی کسی کا دردِ دل محسوس نہیں کرتا۔ کیا وہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے یا مختلف حالات ہیں۔ اب چند اشعار پیش ہیں۔

تھم ذرا بیتا بی دل ! بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے
اے مئے غفلت کے سرمستو! کہاں رہتے ہو تم ؟
کچھ کہو اس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم ؟

وہ بھی حیرت خانۂ امروز و فردا ہے کوئی ؟

اور پیکارِ عناصر کا تماشا ہے کوئی

تیسرے حصے میں شاعر کچھ مزید سوالات فرماتے ہیں۔ مثلاً جنت جہنم اسی طرح انہوں نے اس جہاں کی بہت سی چیزوں کے بارے میں استفسار فرمایاہے کہ جس کی وضاحت تیسرے حصے کی تشریحات میں اس طرح ہیں۔ جنت کوئی باغ یا کوئی آرام کرنے کی جگہ ہے یا باری تعالیٰ کے حسن کے دیدار کو ہی جنت کہا گیاہے۔ جہنم میں گناہوں کو جلانے کے لئے انسانوں کو ڈالا جاتاہے یا جہنم کی آگ کے شعلوں کے ذریعہ انسان کو ادب سکھایا جاتا ہے۔یعنی جہنم میں ڈالنے کا مقصد کیاہے؟انسان کے گناہوں کو جلانا یااس کو ادب سکھانا مقصد ہے۔اس دیس میں بھی انسان اسی طرح چلتے ہیں جیسے یہاں یاوہاں چلنے کے بجائے انسان اڑتے ہیں یعنی اپنے سفر کو پرندوں کی طرح پرواز کے ذریعہ طے کرتے ہیں۔چونکہ موت وہ راز ہے جسے وہی سمجھ سکتاہے جو اس مرحلے سے گزر چکاہے۔اہل زمین موت کانام تو لیتے ہیں مگر موت کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اس کی حقیقت بتاؤ کہ موت کا راز کیاہے۔انسان کا دل جب بے چین ہوتاہے تو وہ دنیا کی چیزوں میں سکون تلاش کرتاہے اور انسان کا علم بہت محدود ہے۔کیاآخرت میں بھی انسان کا علم محدود ہی رہے گا یالا محدود۔انسان کامغموم دل کیااس جہان میں اللہ کے دیدار سے تسکین پاتاہے یاوہاں بھی اسے دیدار کی تمنا کرنے پر وہی جواب ملتاہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دنیامیں دیاگیاکہ ” لن ترانی“ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ پاؤگے۔آیاآخرت میں اللہ تعالیٰ اپنادیدار کراتے ہیں یانہیں۔

مصر ایک ملک کانام ہے جو افریقہ برِاعظم میں ہے لیکن یہ دیس عرب ممالک میں شمار ہوتاہے۔ فلسطین مصر کا ہمسایہ ملک ہے مصر میں سینا ایک جگہ ہے جہاں کوہِ طور واقع ہے اس کوہِ طور کے اعلیٰ ترین چوٹی پر چڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے مخاطب ہو کر ” رب ارني انظر اليك“ اے میرے رب میں آپ کا دیدار کرنا چاہتاہوں۔تاکہ میں اپنے دل کو تسکیں دے سکوں اور آپ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاسکوں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جلّ جلال سے جواب ملا ” لن ترانی “ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔اگر تمہیں میرے دیدار کا اتناہی شوق ہے تو میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈال دیتاہوں۔اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم ودائم اور صحیح و سالم رہاتو تم مجھے ضرور دیکھ سکوگے ورنہ قطعاً نہیں۔جب اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر اپنی تجلی فرمائی تو یہ بلند ترین پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے نور کی شدت سے ریزہ ریزہ ہوگیا۔یہ منظر دیکھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گرپڑے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی جسے دنیا کی کوئی چیز بھی برداشت نہیں کرسکتی کیونکہ پہاڑ دنیا کی مخلوقات میں قوی ترین مخلوق ہے۔جب وہی رب کی تجلی برداشت نہ کرسکاتو دوسری مخلوق تو بدرجہ اولیٰ برداشت نہیں کرسکتی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ”لن ترانی“ فرمایاہے۔یہ صرف اس دنیا کے لئے ہے۔قیامت میں اہلِ ایمان (اہل جنت)اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اہل جنت کو اپنادیدار کرائیں گے۔آخرت میں

اللہ تعالیٰ آنکھ میں اتنی قوت وطاقت فرمائیں گے کہ روبرو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے دیدارِ الٰہی جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے کہ جس کے سامنے جنت کی تمام نعمتیں بے حیثیت معلوم ہونگی۔

اس دنیا میں انسان سکون کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ کیا وہاں بھی یہی کیفیت ہوگی۔ یہ دنیا بہت سی تاریکیوں اور اندھیروں سے بھری ہوئی ہے، کہیں جہالت کا اندھیرا، کہیں ظلم کا اندھیرا۔ وہ دنیا بھی اسی طرح تاریکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی تجلی کے نور سے روشن اور سراپا نور بنی ہوئی ہے۔ اہل زمین آج تک موت کے راز کو سمجھ نہیں پائے۔ یہ راز اہل آسمان ہی جانتے ہیں۔ اس لئے بتاؤ کہ یہ کیا راز ہے کیونکہ موت وہ راز ہے جو شروع سے انسان کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتا اور کھٹکتا ہے۔ لہذا اس راز سے تم ہی پردہ اٹھاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ موت کی کیا حقیقت ہے؟ مثال کے طور پر ذیل میں تیسرے حصے کا ایک شعر پیشِ تحریر ہے۔

دید سے تسکین پاتا ہے دل مہجور بھی ؟
لن ترانی کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی ؟

جیسا کہ اس نظم کے سلسلے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی رقمطراز ہیں کہ :

''موت انسان کے لئے ایک معمہ ہے اور ہر انسان اس کا راز معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد جو دنیا ہوگی وہ کیسی ہوگی؟ اس دنیا کی طرح یا اس سے مختلف ہوگی؟ اس نظم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اقبال نے اس دنیا کی زندگی کا صحیح اور مؤثر نقشہ کھینچ دیا ہے اور سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہاں تو ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو کیا اس دنیا میں اس کی دید سے دل مہجور کو تسکین حاصل ہو سکے گی۔ یا وہاں بھی دیدار کے سوال کے جواب میں '' لن ترانی '' ہی سنیں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا '' رب ارنی '' اے رب تو اپنے آپ کو مجھے دکھا دے تو اللہ نے جواب دیا '' لن ترانی '' یعنی مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔''

(بانگ درا مؤلف مع شرح-پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص۔102)

مزید ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی مندرجہ بالا شعر کی روشنی میں رقمطراز ہیں:

''کیا وہاں بھی ہجر کا مارا ہوا دل دید سے تسکین پاتا ہے؟ یہاں جب ایک عاشق کو محبوب کا دیدار نہیں ہوتا تو وہ بے قراری، اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور جب محبوب کا دیدار ہو جائے تو اسے بے حد سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی حوالے سے ایسا کہا ہے یا وہاں کے طور بھی لن ترانی کہہ رہے ہیں

۔مراد یہ کہ کیا تمہیں اس محبوبِ حقیقی کا دیدار ہوتا ہے یا اس سے دوری ہی ہوتی ہے اور وہی حضرت موسیٰ والا واقعہ دہرایا جاتا ہے۔''

(شرح بانگ درا—شارح ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی۔ ص۔46)

الغرض،اس نظم میں علامہ اقبال نے موت کے بعد پیش آنے والے حالات کو دنیا میں پیش آنے والے احوال سے موازنہ کر کے کچھ سوالات ان لوگوں سے کئے ہیں جو اس دنیا کو الوداع کہہ کر دارِ باقی کی طرف کوچ فرما چکے ہیں۔ موت کیا ہے؟اور زندگی کیا ہے۔؟ان سوالات کے ذریعے دونوں کے احوال و کوائف کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب مردے تو دے نہیں سکتے۔ لہٰذا خود ہی ان سوالات کا جواب تلاش کرنا پڑے گا اور جواب وہی ہے۔ایک دین دار اور قرآن وحدیث کا تھوڑا سا بھی علم رکھنے والا آدمی ان سوالات کے جوابات پر بخوبی قدرت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً قرآن وحدیث ہی کو اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوہِ طور پر جو سوال وجواب کا واقعہ پیش آیا تھا۔اسی واقعہ کو انہوں نے اشعار کے قالب میں بیان فرمایا ہے۔مزید یہ کہ انھوں نے اس نظم کے پردے میں ملتِ اسلامیہ کے زوال پر بھی نہایت ہی بلند آہنگ میں اپنے غم والم کا اظہار ہے جو ایک بے مثال فن ہے اور انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ نظم کا اختتام مندرجہ ذیل شعر پر ہوا ہے جو زندگی اور موت کے راز پر اساس رکھتا ہے۔

تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گردوں میں ہے موت ایک چبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے

☆☆☆